POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 August 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان

اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 16-08-2025 • Price: 5/- • 22-28 August 2025 • Issue: 32 • Vol:84

۲۲ تا ۲۸ / اگست ۲۰۲۵ء • شمارہ: ۳۲ • جلد: ۸۴

صحتِ زبان (۳۰)

رؤف پاریکھ

کوئی تیس چالیس سال پہلے کا ذکر ہے ہمارے ایک دوست جب کسی لفظ کا غلط تلفظ سنتے تو طنزیہ کہتے ''کیا آج کل پی ٹی وی کا خبر نامہ بہت غور سے دیکھ رہے ہو''۔ اس زمانے میں یعنی بھلے وقتوں میں ٹی وی کا ایک ہی چینل تھا، یعنی پی ٹی وی۔ ہائے کیا سنہرا زمانہ تھا کہ غلط اردو صرف ایک ہی چینل سے نشر ہوتی تھی۔ اس واحد چینل کا تلفظ اتنا خراب بھی نہیں تھا، اکا دکا غلطیاں ہوتی تھیں۔ مثلاً خبریں پڑھنے والی ایک معروف خاتون ترقیاتی کو چشمِ بد دور ہمیشہ 'ترقّاتی' اور وزیرِ اعظم کو بڑی مستقل مزاجی سے 'وزرِاعظم' پڑھا کرتی تھیں۔ اور ایسی وضع دار تھیں کہ برسوں تک یہی غلط تلفظ ادا کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ ریٹائر ہو گئیں (اللہ کا شکر ہے)۔

اور اب بھی کئی ٹی وی چینل والے لفظ 'وزیر' کا تلفظ درست طور پر نہیں کر سکتے اور لفظ وزیر میں یائے معروف (ی) یعنی 'زی' کے بجائے 'ز' کو ساکن پڑھتے ہیں، جیسے 'وزرِ خزانہ'۔ نجانے یہ لوگ کب ریٹائر ہوں گے۔ اس لیے آج کل جب کوئی درست تلفظ ادا کرتا ہے تو کہنے کو جی چاہتا ہے کہ لگتا ہے آج کل آپ ٹی وی بالکل نہیں دیکھ رہے۔

لیکن جناب وہ زمانے لد گئے۔ اب تو غلط تلفظ کی ایسی دھوم ہے کہ ایک معروف صدا کار (جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے) اپنی بلند خوانی (جسے اب پڑھنت کہا جاتا ہے، معلوم نہیں کیوں) کے لیے شہرت رکھتے تھے۔ بے شک ان کی آواز مائیکروفون کے لیے بہت کارآمد تھی، آواز کے اتار چڑھاؤ اور سانس پر قابو مثالی تھا، وہ جانتے تھے کہ کہاں وقفہ دینا ہے اور کہاں نہیں دینا، کیوں کہ وہ کوئی نصف صدی تک اسی کام سے وابستہ رہے اور اپنے قیامِ مغرب کے عرصے میں بھی یہی کام کرتے رہے۔ لیکن ان کی بے مثال خصوصیات میں بھائی لوگوں نے اَن جانے میں اُن کے اردو تلفظ کو بھی شامل کر لیا اور ان کے تلفظ کو سند گرداننے لگے۔

جب کہ ان کے تلفظ کا یہ عالم تھا کہ 'مِن وعَن' کو 'مَن وعَن' پڑھا کرتے تھے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے مولوی نذیر احمد دہلوی کا جو پُرلطف خاکہ لکھا ہے اس معروف خاکے کا ایک حصہ جب انھوں نے پڑھا تو اس پندرہ سولہ منٹ کی ریکارڈنگ میں تلفظ کی پانچ چھے اغلاط تھیں۔ مثلاً انھوں نے بَرَس (رے مفتوح) کو بَرْس (رے ساکن) پڑھا۔ حیرت ہوئی کہ اس عام لفظ کا بھی درست تلفظ انھیں معلوم نہیں تھا۔ لیکن تعجب ہوتا ہے کہ لوگ ان کے تلفظ پر لہلوٹ ہیں اور شاید اسی سے متاثر ہو کر ٹی وی کے بعض چینلوں والے بعض غلط الفاظ کے تلفظ کو مثال سمجھنے لگے ہیں اور ان کا ادا کیا ہوا تلفظ ہمیشہ بڑے اہتمام سے ادا کرتے ہیں، چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

ٹی وی کے غلط تلفظ کی مثال میں سرِ دست چند الفاظ کا ذکر پیش ہے۔

☆ اَرَب، عَرَب اور بَرَس

ان تینوں الفاظ میں رے پر زبر ہے۔ ٹی وی کے دو چینل (نام حذف کیے جا رہے ہیں) کے خبر خواں (جس کو اب عام طور پر نیوز ریڈر کہا جاتا ہے) ان تین لفظوں (ارب، عرب اور برس) میں دوسرے حرف کو بڑی پابندی اور مستقل مزاجی سے ساکن پڑھتے ہیں یعنی غلط پڑھتے ہیں۔ ان الفاظ میں دوسرا حرف ساکن نہیں مفتوح ہے (یعنی اس پر فتحہ یعنی زبر ہے)۔

اردو میں مصدر بَرَسنا ہے اور اسی طرح بَرَس ہے، یعنی لفظ برس خواہ 'سال' کے مفہوم میں بولا جائے خواہ 'کسی چیز کا تسلسل سے گرنا' کے مفہوم میں، رے پر زبر کے ساتھ درست ہے۔ اردو کی تمام مستند لغات میں برس اور برسنا میں رے پر زبر لکھا گیا ہے۔ گویا یہاں رے ساکن نہیں ہے، لیکن بعض ٹی وی والے اس کو ساکن ہی پڑھتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ٹی وی کے بزرجمہروں نے یہ غلط تلفظ کہاں سے سیکھا؟ شاید ان معروف صدا کار سے جن کا ذکر اوپر آیا۔ وہ اور ان کے ٹی وی کے پیروکار کم از کم غالب کا مشہور شعر ہی دیکھ لیتے:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

اس شعر میں اگر برس میں رے پر زبر نہ پڑھا جائے اور اسے ساکن پڑھا جائے تو مصرع بحر سے خارج ہو جائے گا۔

ممکن ہے کوئی بزرگ دوست ہم پر برس پڑیں (یعنی رے پر زبر کے ساتھ بَرَس پڑیں) اور کہیں کہ یہ کیا بے ہودگی ہے، بَرَس اور اَرَب جیسے عام الفاظ کا درست تلفظ بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو بچے بھی جانتے ہیں۔ تو دست بستہ عرض ہے کہ حضور! اب اردو پر پیمبری وقت آن پڑا ہے۔ اب تو اردو میں تخصیصی سند لینے والے طالب علم بھی 'کے' اور 'کہ' میں تمیز نہیں کر سکتے اور ایک بڑے اخبار نے فیض کے مصرعے 'بول کہ لب آزاد ہیں تیرے' کو جلی حروف میں 'بول کے لب آزاد ہیں تیرے' لکھ دیا تھا۔ اس پر ہمارا تبصرہ تھا کہ 'بول کے' یعنی بولنے کے بعد لب تو آزاد ہو ہی گئے۔

یہاں یہ وضاحت بھی کر دی جائے کہ اردو لغت بورڈ کی لغت کے مطابق پیمبری وقت یا پیغمبری وقت کے مرادی معنی ہیں: سخت مصیبت یا آزمائش و ابتلا کا زمانہ[1] (کیوں کہ بعض پیغمبروں کو اللہ کے راستے میں بڑی سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا)۔ اور یہ وقت اب اردو پر آ گیا ہے۔ لہٰذا اردو کو بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ٹی وی والوں کی غلط اردو کو مثال نہ بنایا جائے۔ درخواست ہے کہ ارب، عرب اور برس میں رے پر زبر بولتے رہیے۔

☆ برسہا برس یا سالہا سال؟

بعض لوگ جب 'کئی برس' یا 'بہت عرصہ' کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں 'برسہا برس'۔ اسے توڑ کر یعنی 'برس ہا برس' بھی لکھا جاتا ہے۔ یہ رائج تو ہے البتہ اس میں ایک بات غور طلب ہے اور وہ یہ کہ 'برس' اگرچہ سال کے مفہوم میں درست ہے لیکن یہ خالصتاً مقامی یا دیسی لفظ ہے (سنسکرت یا پراکرت یا اردو یا ہندی کہہ لیجیے) اور 'ہا' فارسی میں علامتِ جمع ہے۔ اصولاً کسی مقامی لفظ کے ساتھ 'ہا' جوڑ کر مرکب نہیں بنانا چاہیے۔

'ہا' اردو میں کثرت کے لاحقے کے طور پر مستعمل ہے، مثلاً صدہا (یعنی کئی سو)، بارہا (یعنی کئی بار) ہزارہا (یعنی کئی ہزار) اور یہ سب تراکیب درست ہیں کیونکہ صد، بار اور ہزار فارسی کے لفظ ہیں۔ ان کے

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

ساتھ 'ہا' کو جوڑا جاسکتا ہے۔ لیکن برس فارسی کا لفظ نہیں ہے اور اس کے ساتھ 'ہا' لکھنا ٹھیک نہیں۔ اسی لیے برسہابرس کی ترکیب درست نہیں۔ اصولاً سالہاسال (یا توڑ کر سال ہاسال) لکھنا چاہیے۔

ہاں البتہ الف اردو یا ہندی تراکیب میں تسلسل یا شدت یا کثرت کے لیے آتا ہے، مثلاً مارامار، دوڑا دوڑ، کھٹا کھٹ، خونا خون، مالا مال، اور اسے الفِ وصل کہتے ہیں۔

☆ دن بدن یا روز بروز؟

اسی طرح کی غلطی دن بدن میں بھی ہوتی ہے۔ 'ب' فارسی میں حرفِ جر کے طور پر آتی ہے، مثلاً بضد، بمشکل، بخدا، رنگ برنگ، بسرو چشم وغیرہ۔

لیکن اردو اور ہندی کے الفاظ کے ساتھ 'ب' کو حرفِ جار کے طور پر لکھنا درست نہیں۔ 'دن' اردو کا لفظ ہے اور اس کے ساتھ 'ب' اس طرح نہیں آسکتی جیسے فارسی الفاظ کے ساتھ آتی ہے۔ اس لیے 'دن بدن' لکھنا درست نہیں۔ روز بروز لکھنا چاہیے۔ مثلاً ہم 'بدنِ جمعہ' نہیں بولتے یا لکھتے کیونکہ 'بروزِ جمعہ' درست ہے۔ 'بدنِ جمعہ' غلط ہے۔ ہاں اگر کسی کو لفظ 'دن' استعمال کرنے پر اصرار ہے تو 'جمعے کے دن' کہنا چاہیے۔ اور 'جمعے کے روز' بولنا یا لکھنا بھی درست ہے۔

'روز' فارسی کا لفظ ہے، اسے 'ب' کے ساتھ لکھنا درست ہے۔ جیسے: مہنگائی 'روز بروز' بڑھتی جارہی ہے۔ لیکن اگر کوئی لکھے کہ مہنگائی 'دن بدن' بڑھتی جارہی ہے تو سمجھ جائیے گا کہ لوگوں کی اردو 'روز بروز' خراب ہوتی جارہی ہے۔

☆ چھ یا چھے؟

اردو میں ایک عدد ہے جو پانچ کے بعد آتا ہے، نصف جس کے تین (۳) ہوتے ہیں اور اسے فارسی میں شَش، عربی میں سِتّہ اور انگریزی میں سِکس (six) کہتے ہیں۔ اسے اردو میں دو طرح سے لکھا جاتا ہے: چھ اور چھَے۔ اردو لغت بورڈ کی لغت میں ان دونوں املوں یعنی چھ اور چھے کی اسناد موجود ہیں[2]۔ لیکن بورڈ نے اس کا تلفظ بیائے مجہول درج کیا ہے حالاں کہ اس کا تلفظ عام طور پر یائے لین (یعنی ماقبل مفتوح) ہی سے یعنی ''چھَے'' کیا جاتا ہے بلکہ عبدالستار صدیقی جیسے ماہرِ لسانیات اور ماہر زباں نے اپنی کتاب 'مقالاتِ صدیقی' میں لکھا ہے کہ ''پانچ کے بعد کے عدد کو لوگ عام طور پر 'چھہ' مختفی 'ہ' کے ساتھ لکھتے ہیں حالاں کہ اس لفظ کا تلفظ ''چھے'' ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اسی طرح نہ لکھا جائے''۔[3]

جب کہ ''چھ'' سے مراد عام طور پر حرفِ تہجی لیا جاتا ہے جیسے بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ اور چھ۔ یعنی چھ ایک حرف ہے جس سے چھتری جیسے الفاظ شروع ہوتے ہیں۔ جہاں تک اسے ''چھہ'' لکھنے کا سوال ہے یعنی چھ اور پھر ''ہ'' کا اضافہ، تو بقول رشید حسن خاں صاحب کے، ''چھہ'' لکھنے سے اس کا تلفظ ہائے مختفی سے کیا جائے تو اسے ''چھا'' پڑھنا پڑے گا۔ رشید صاحب نے اپنی کتاب 'اردو املا' میں اس عدد کے املا پر خاصی روشنی ڈالی ہے اور اس کا درست املا چھے بتایا ہے[4]۔ ادارۂ فروغِ قومی زبان (اسلام آباد) کے اردو املا پر منعقدہ قومی سیمینار نے بھی ''چھے'' کو درست قرار دیا ہے۔[5]

گویا درست املا چھ یا چھہ نہیں چھے ہے لیکن کچھ لوگ بغیر کسی دلیل اور کسی حوالے کے ''چھ'' لکھنے پر مصر ہیں حالاں کہ زبان کے معاملات میں کسی فردِ واحد کی بلا دلیل رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اردو لغت بورڈ کی لغت میں چھ بھی درج ہے اور چھے بھی، اور دونوں کی اسناد بھی موجود ہیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ لیکن لغت کون دیکھے؟ اور حوالہ کیوں دے؟ بس ہماری طالب علمانہ گزارش یہ ہے کہ بغیر کسی دلیل یا ثبوت کے کسی املا کو غلط یا درست نہ کہا جائے۔ اتنا تو ضرور ہے کہ کم از کم ''چھے'' کو غلط نہ کہا جائے کیوں کہ اس عاجز طالبِ علم نے بعض اہلِ زبان سے اس لفظ کا تلفظ یائے لین سے یعنی ''چھَے'' سنا ہے اگرچہ کچھ لوگ یائے مجہول سے بھی بولتے ہیں۔ اسی طرح چھ کو بھی غلط نہ کہا جائے کیونکہ یہ بہر حال رائج رہا ہے اور اس کی سند بھی موجود ہے۔ ہاں ترجیح کی بات ہو تو رائج تلفظ اور اہلِ علم کی اکثریتی رائے کے پیشِ نظر چھے کو ترجیح حاصل ہے۔

☆ وومن یا ویمن؟

شاید کسی پچھلی قسط میں ذکر آیا تھا کہ بھائی لوگ فیس (fees) کی ''مزید'' جمع فیسز لکھنے اور بولنے لگے ہیں۔ اور اسی طرح چیرمین (chairman) کی جمع اب پاکستان کے بعض اردو اخبارات میں ''چیرمینز'' لکھی جارہی ہے مثلاً ''تمام کمیٹیوں کے چیرمینز کو برخاست کردیا گیا''۔ یہ کوئی ہمارا گھڑا ہوا فرضی لطیفہ نہیں ہے، امرِ واقعہ ہے۔ آپ ہمارے اخبارات میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں (اور عبرت پکڑ سکتے ہیں)۔

'فیسز' اور 'چیرمینز' پر ہمیں ایک اور انگریزی لفظ 'وومن' (woman) یاد آگیا اور اس کی جمع بھی یاد آئی۔ مثلاً کراچی میں لڑکیوں کے بعض سرکاری کالجوں کے باہر بورڈ لگا ہوا دیکھا جس پر اردو حروف میں لکھا تھا ''گورنمنٹ کالج فار وومن'' یا ''گورنمنٹ وومن کالج''۔ بہت حیرت ہوئی کہ حکومت نے وومن (woman) یعنی صرف ایک خاتون کے لیے پورا کالج کھول دیا۔

جب ہم نے ایک پروفیسر نما دوست یا دوست نما پروفیسر سے کہا کہ ایک طالبہ کے لیے حکومت نے پورا کالج کھول دیا؟ وہ چکرائے تو ہم نے انھیں سمجھایا کہ جس طرح انگریزی میں لفظ 'مین' (man) کی جمع بناتے وقت اس کے ہجے میں 'اے' (a) کے بجائے 'ای' (e) لکھا جاتا ہے یعنی men اسی طرح وومن (woman) (یعنی عورت، لڑکی، خاتون) کی جمع بناتے وقت بھی اس میں 'اے' کے بجائے 'ای' لکھتے ہیں۔ اس لفظ کا املا women ہے لیکن اس کا درست انگریزی تلفظ 'وی من' ہے۔ گویا وومن واحد ہے اور ویمن جمع ہے۔ ہماری مراد یہ ہے کہ گورنمنٹ وومن کالج کا مطلب ہوا ایک عورت یا ایک لڑکی کا کالج۔ ویمن کالج لکھنا چاہیے یا کالج فار ویمن، یعنی لڑکیوں کا کالج۔

بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ آپ لفظوں کو دیکھتے ہیں اور واحد جمع کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ کالجوں میں پڑھانے والے بھی وومن اور ویمن کا فرق نہیں جانتے۔ تو ہم نے کہا کہ پھر سیدھا سیدھا اردو میں ''سرکاری کالج برائے خواتین'' کیوں نہیں لکھتے؟

ممکن ہے ان کالج والوں کو انگریزی کی اضافتِ تملیکی سے مغالطہ ہوا ہو جسے انگریزی میں اس 'کوما' (comma) کی علامت سے ظاہر کیا جاتا ہے جسے اوپر اٹھا کر لکھا جاتا ہے اور جسے انگریزی میں apostrophe کہتے ہیں، مثلاً John's book (جان کی کتاب)۔ اسی طرح خواتین کی کرکٹ ٹیم کو انگریزی میں ویمنز کرکٹ ٹیم کہا جاتا ہے اور اسے women's cricket team لکھتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ خوش فہمی تھی اور اب بھی ہے کہ اردو کے صحافیوں کو اتنی انگریزی تو آتی ہوگی کہ اضافتِ تملیکی اور جمع میں تمیز کرسکیں۔

حواشی:

1. اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد۴، (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۸۲ء)۔
2. اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد۷، (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۸۶ء)۔
3. مقالاتِ صدیقی (لکھنؤ: اترپردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء)، ص۱۰۔
4. اردو املا، (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۵۷۔۴۵۹ (دوسرا ایڈیشن)۔
5. سفارشاتِ اردو املا ۲۰۲۲ء (اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۲ء)، ص۳۷۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین ومقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ بینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میاں من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام،	
	یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-

ناصر کاظمی کی شاعری: ایک جائزہ

عفت پروین

ناصر کاظمی (1972–1925) اردو کے جدید شعرا میں ایک اہم شاعر شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ لطیف محسوسات اور تلخ تجربات کے شاعر ہیں۔ ان کی حسیات ان کے اندر ہی سے جنم لیتی اور باہر آکر دائرہ در دائرہ پھیل جاتی ہیں۔ ان حسیات کو ناصر کاظمی کی صورت میں ایک ایسا شاعر میسر آیا ہے جس کے پاس ایک ایسا قالب، قلب کی صورت میں موجود ہے جو ان کا مکمل سانچہ ہے اس لیے اپنے اس انتخاب پہ وہ حیران بھی ہیں اور نازاں بھی۔ بے ساختگی، برجستگی اور کفایتِ لفظی کے باوجود بھی وہ خیال و موضوع کی تکمیلیت کا جادو جگاتے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ پلک جھپکنے میں ہم نے جیسے کئی درماندہ کہانیوں کو پڑھ ڈالا:

ترے آنے کا دھوکا سا رہا ہے
دیا سارات بھر جلتا رہا ہے

☆

گا رہا تھا کوئی درختوں میں
رات نیند آ گئی درختوں میں

☆

کل جنھیں زندگی تھی راس بہت
آج دیکھا انھیں اُداس بہت

حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

''ناصر کاظمی کی غزل کے لسانی برتاؤ کا ایک خلقی اور امتیازی وصف اس کی برجستگی ہے۔ شعر کہتے ہوئے کہیں سے بھی یہ ظاہر نہیں ہو پاتا کہ وہ اپنی طبیعت پر دباؤ ڈال رہے ہیں یا کسی قسم کا جبر کرتے ہیں بلکہ ان کے اشعار خودرو پودوں کی طرح اُگتے ہیں اور فضا رنگ اور روشنی سے منور ہو جاتی ہے۔ یہ برجستگی اور آمدِ طبع شاعر کے غیر معمولی گداز، رچاؤ اور انہماک کو ظاہر کرتی ہے۔''

ناصر روزمرہ کے عام فہم، سادہ اور سلیس الفاظ و انداز میں اپنا قصۂ درد بیان کرتے ہیں۔ مانوس اور بے تکلف زبان استعمال کرتے ہیں۔ سکہ بند اور مروجہ معنی ہونے کے باوجود نادیدہ امکانات کو روشن کرتے ہیں۔ علیم صبا نویدی کہتے ہیں:

''مزاج کی برانگیختگی اور اضطراب کے عالم میں بھی سوچوں کی سنجیدگی اگر دیکھنی ہو، تو وہ ناصر کاظمی کی غزلوں میں دیکھ سکتے ہیں۔''

ناصر کی غزلیں منجھے ہوئے ذہن کی پیداوار ہیں جن میں شعری تہذیب کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ شعر اُنھیں نکھرے ہوئے گلدستے کی طرح حسین صورت میں مرتب دکھائی دیتے ہیں جو کہ شائستگی کا پیکر معلوم ہوتے ہیں۔

غزل بنیادی طور پر علامتی صنفِ سخن ہے کیوں کہ اس میں ابہام و ایہام، رمزیت و ایمائیت کو بنیادی دخل ہے۔ خیال کا مختصر پیکر ہوتا ہے جس میں پوری کہانی کو بیان کرنا ہوتا ہے اور اس میں بھی ردیف و قافیہ اپنی جگہ پہلے سے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے حد درجہ اختصار، احتیاط اور کفایت سے کام لینا پڑتا ہے۔ اسی لیے اس میں خیال کی سطح پر دھندلے دھندلے نقوش چھوڑنے پڑتے ہیں اور ان نقوش کی اشاریت ہی سے پورے منظرنامے تک رسائی کرنا ہوتی ہے۔ ناصر نے علامتوں کا فنکارانہ استعمال کیا ہے۔ ناقدین نے ان کے ہاں یاد، رات، شہر، گھر، پانی، ہوا، سفر، چاند، سناٹا، آواز اور دوسری علامتوں کا ذکر کیا ہے۔ سناٹا ناصر کے ہاں تخلیقی کرب کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ وہ اس تخلیقی کرب میں مبتلا ہوکر ذات کی معنی آفرینی اور تہ در تہ جہاں کا رخ کرتا ہے اور وہاں سے تاثیر کے جوہر نکالنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

''اس کے کلام کی تاثیر کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ یہ کلام ذات کی تہوں سے ابھرا ہے، ذہن کے بالاخانے سے نازل نہیں ہوا۔''

وہی وقت کی قید ہے درمیان
وہی منزلیں وہی فاصلے

ہجرت کے واقعے نے ان کی سائکی کو شدت سے جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ فسادات میں ناصر کے ساتھ بڑا سانحہ یہ ہوا کہ ان کے سب دوست احباب بچھڑ گئے جو ان کی متاعِ عزیز تھے۔ دوستوں سے بچھڑنے کا سب سے زیادہ کرب و غم ناصر کاظمی اور خلیل الرحمٰن اعظمی نے محسوس کیا ہے۔ ان کے بچھڑ جانے کے بعد زندگی ایک لاسمتی، لامقصدیت اور بے معنویت کا شکار ہوگئی۔ نقوشِ رفتگاں جب آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے ہیں، تو دل کے جذبات و احساسات میں ارتعاش پیدا ہونے لگتا ہے اور دل کے تار درد کے ساز چھیڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ 'اے دوست' کا تخاطب ان کے اکثر اشعار میں ملتا ہے اور اس تخاطب و آواز میں اداسی کی دبیز لہریں چھپی ہوئی ہوتی ہیں اور جیسے ہی وہ آواز دیتے ہیں۔ 'اے دوست' تو وہ تمام نقشہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے وہ سارا کرب، دکھ، درد اور ہجر جو اس سے وابستہ ہے قاری پر عیاں یا کہنے دیجیے، مسلط ہوتا ہے:

کہاں ہے تو کہ تیرے انتظار میں اے دوست
اگرچہ دل تیری منزل نہ بن سکا اے دوست

ناصر کاظمی کی غزل نوسٹلجیا کی بہتر مثال کہی جاتی ہے۔ اپنے ہم عصروں کے بالمقابل ان کی شاعری میں دردمندی کی منفرد لے محسوس کی جاسکتی ہے۔ 1947 کے فسادات کے نتیجے میں ان کی غزل میں احتجاج اور غم و غصے کے واضح اثرات کی حامل ہے۔ اجڑتے شہر، جلتے گھر، لٹتی عصمتیں اور دلدوز چیخوں کے منظرنامے سے ان کی شاعری مرتب ہوئی ہے 'برگِ نے' کی غزل کا یہ شعر:

شہر در شہر گھر جلائے گئے
یوں بھی جشنِ طرب منائے گئے

اُن کے شعری سفر کے بہت سے راز افشا کرتا ہے۔ اس غزل میں اُن کے موضوعات اور خیالات کے دھارے کا رخ معلوم ہوتا ہے، اُن کے شاعرانہ غم اور کرب کی بنیاد کا اندازہ ہے جس کی تفسیر و تشریح ان کی شاعری ہے۔ یہ غزل:

گلی گلی آباد تھی جن سے کہاں گئے وہ لوگ
دلّی اب کے ایسی اجڑی ایسا پھیلا سوگ

مذکورہ غزل کی دوسری کڑی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سارے اشعار اس سلسلے کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں اور وہ ان کو ڈراما کی طرح Episodes میں پیش کرتے ہیں۔ گو کہ شخصی واردات کے اظہار کے ساتھ ساتھ اجتماعی اِضطراب کی عکاسی کرنے میں بھی انھیں سلیقہ آتا ہے۔ مگر شور شرابا اور خون خرابا ان کے اعصاب پر حاوی نہیں ہوا ہے اور نہ ہی وہ اس کو جذباتیت کی رو میں بہا دیتے ہیں بلکہ اس کو اپنی تخلیق کی آنچ سے پگھلا کر موم کر کے شائستگی کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ بقولِ شمیم حنفی ان کی شاعری پیغام، عقیدے، نظریے اور حکمت سے عاری ہے مگر یہ مہذب انسان کی شاعری ہے:

اے ہم سخن وقت کا تقاضا ہے اب یہی
میں اپنے ہاتھ کاٹ لوں تو اپنے ہونٹ سی

اس کے سب زخم ہرے ہیں اور ذرا سے ٹکراؤ سے درد کی شدتیں جنم لیتی ہیں:

ناصر ہم کو رات ملا تھا تنہا اور اداس
وہی پرانی باتیں اس کی وہی پرانا روگ

ناصر کو بھی اپنے گمشدہ ماضی کی تلاش ہے:

کہاں کھو گیا مرا قافلہ کہاں رہ گئے مرے ہم سفر

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

ناصر کاظمی اردو کے جدید شعرا میں ایک اہم شاعر شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ لطیف محسوسات اور تلخ تجربات کے شاعر ہیں۔ ان کی حسیات ان کے اندر ہی سے جنم لیتی اور باہر آکر دائرہ در دائرہ پھیل جاتی ہیں۔ ان حسیات کو ناصر کاظمی کی صورت میں ایک ایسا شاعر میسر آیا ہے جس کے پاس ایک ایسا قالب ، قلب کی صورت میں موجود ہے جو ان کا مکمل سانچہ ہے اس لیے اپنے اس انتخاب پہ وہ حیران بھی ہیں اور نازاں بھی۔ بے ساختگی، برجستگی اور کفایتِ لفظی کے باوجود بھی وہ خیال و موضوع کی تکمیلیت کا جادو جگاتے ہیں۔

اردو دُنیا

ٹی جی ٹی اُردو کی 626 پوسٹوں میں سے 466 اُمیدواروں کا انتخاب

نئی دہلی (19 اگست)۔ ڈی ایس ایس ایس بی (اردو) کے رزلٹ میں کُل 626 پوسٹوں میں سے 466 پوسٹوں پر سلیکشن ہوگیا ہے۔ یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔ اس طرح دہلی میں اردو اساتذہ کی قلت دور ہوجائے گی۔ اس معاملے پر ظرف ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کے چیئرمین منظر علی خاں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رزلٹ بہت اچھا رہا اور 98 فیصد مسلم کوٹے کی سیٹیں پُر ہوگئی ہیں۔

منظر علی خاں نے بتایا کہ ڈی ایس ایس ایس بی نے 12 جنوری 2024 کو اشتہار نکالا تھا جس میں دہلی حکومت کے اسکولوں میں اردو پڑھانے کے لیے ٹرینڈ گریجویٹ ٹیچر اردو کی اسامیاں نکالی تھیں، یہ کُل ملا کر 626 پوسٹیں تھیں، ان میں 265 مرد اور 356 خواتین کی پوسٹیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ این ڈی ایم سی میں بھی ٹی جی ٹی اردو کی پانچ پوسٹیں تھیں۔ انھوں نے کہا کہ خاص بات یہ تھی کہ اس مرتبہ پہلے پیپر کو کوالیفائی کرنا لازمی نہیں تھا، یعنی دونوں پیپر ملا کر او بی سی کے لیے 70 نمبر ضروری تھے۔ اس امتحان میں ٹی جی ٹی مرد و خواتین کو ملا کر کُل 1573 امیدواروں نے حصہ لیا، جس میں 605 امیدواروں نے کوالیفائی کیا لیکن دستاویز اپ لوڈ کرنے میں صرف 466 ہی کامیاب ہوسکے۔ اس طرح 626 پوسٹوں میں سے 466 پوسٹوں پر سلیکشن ہو پایا اور باقی 160 پوسٹیں خالی رہ گئیں۔ اس کا فائنل رزلٹ کل دیر رات آیا۔ سیٹیں خالی رہنے کی وجہ یہ رہی کہ مرد و خواتین میں کافی سیٹیں ایس سی، ایس ٹی کوٹے کی تھیں جس کے امیدوار نہیں مل سکے۔ این ڈی ایم سی کی پانچ سیٹوں میں سے چار پر سلیکشن ہوگیا۔ انھوں نے بتایا کہ خالی 160 سیٹوں میں سے صرف 8 پوسٹ جنرل ہیں، باقی 152 ایس سی اور ایس ٹی کی ہیں، جس میں غیر مسلم آتے ہیں۔ رزلٹ بہت اچھا رہا، 98 فیصد مسلم کوٹے کی سیٹیں پُر ہوگئیں۔ (انقلاب۔ دہلی)

چوتھے مرحلے میں اساتذہ کی بحالی کے لیے امتحان جلد لیا جائے گا

پٹنہ (6 اگست)۔ بہار میں اساتذہ بحالی کا انتظار کر رہے امیدواروں کے لیے اچھی خبر ہے۔ وزیرِ تعلیم سنیل کمار نے کہا کہ جلد ہی BPSC TRE-4 کے تحت ہونے والی تقرریوں کے بارے میں معلومات کو فراہم کی جائیں گی۔ اس کے لیے 78000 اسکولوں میں اساتذہ کی ضرورت کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ انھوں نے بہار میں ڈومیسائل کے نفاذ کے لیے وزیرِ اعلا نتیش کمار کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اب چوتھے مرحلے کے تحت اساتذہ کی بھرتی میں 87-86 فیصد امیدوار صوبۂ بہار کے ہوں گے۔ وزیرِ تعلیم نے کہا کہ ڈومیسائل کے تحت بہار کے تعلیمی اداروں میں میٹرک اور انٹرمیڈیٹ پاس کرنے والے طلبہ کو محکمۂ تعلیم میں ملازمت حاصل کرنے میں ترجیح دی جائے گی۔ مجموعی طور پر اساتذہ کی تقرری میں 85 فیصد سے زیادہ سیٹیں بہار کے لوگوں کے لیے مختص کی گئی ہیں۔ درحقیقت محکمۂ تعلیم کے سروس کنڈیشن رولز 2025 کے تحت بنائے گئے پرووِژن میں اسکول کے اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقرری کے لیے 40 فیصد سیٹیں بہار کے امیدواروں کے لیے مختص ہوں گی، جنھوں نے بہار سے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ پاس کیا ہے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اُردو میڈیم زینت محل اسکول جعفرآباد میں سائنس، کامرس اور اُردو کے اساتذہ نہیں

متعلّقہ محکمہ اور حکومت کا رویّہ غیر سنجیدہ

نئی دہلی۔ شمال مشرقی دہلی میں دہلی سرکار کا واحد اردو میڈیم زینت محل اسکول، جعفرآباد ہے جس میں صبح کی شفٹ میں تقریباً ساڑھے پانچ ہزار بچیاں زیرِ تعلیم ہیں۔ مذکورہ اسکول اپنے روزِ قیام سے ہی مختلف مسائل سے دوچار رہا ہے۔ دہلی میں حکومتیں بدلتی رہیں مگر مسائل جوں کے توں رہے۔ کہنے کو یہ اسکول اردو میڈیم ہی کہلاتا ہے مگر یہاں ہمیشہ اردو میڈیم اساتذہ کا فقدان رہا ہے۔ سب سے حیران کُن بات یہ ہے کہ اب تک جتنی پرنسپل آئی ہیں اُن میں سے بیشتر کو اردو نہیں آتی۔ پچھلے ایک سال سے تو پرنسپل بھی نہیں ہیں، ان کا کام وائس پرنسپل دیکھ رہی ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ اسکول میں کُل 105 کلاس روم ہیں، اس حساب سے تقریباً چار ہزار بچیوں کا ہی داخلہ کیا جاسکتا ہے، مگر قانون کی دھجیاں اڑا کر پانچ ہزار سے زیادہ داخلے کیے گئے ہیں۔ اسکول سے وابستہ ایک شخص نے بتایا کہ یہ دقت اس وجہ سے آرہی ہے کہ یہاں ہندی اور انگلش میڈیم کے بچوں کا داخلہ بلا کسی روک ٹوک کے کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے تعداد بڑھنا فطری ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اردو میڈیم اسکول میں اردو میڈیم کے بچے کا ہی داخلہ ہو کیوں کہ پورے حلقے میں ہندی اور انگلش میڈیم کے اسکول تو کئی ہیں جہاں داخلہ لے کر اس اسکول کے بوجھ کو کم کیا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف بچیوں کی اتنی بڑی تعداد ہونے کے باوجود اساتذہ کی شدید قلت ہے جو سالہا سال سے برقرار ہے۔ سائنس، کامرس اور اردو کے اساتذہ ہی نہیں ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دسویں کے اساتذہ گیارہویں اور بارہویں کے بچوں کو پڑھا رہے ہیں جس کی وجہ سے بچوں کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے اور یہی سبب ہے کہ حالیہ امتحانات کے نتائج کا فیصد بھی کم رہا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر بچیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے تو ملٹی اسٹوری بلڈنگ بنا کر اس کمی کو دور کیا جاسکتا ہے یا پھر ایسی ہی دوسری بلڈنگ بنائی جاسکتی ہے۔ معروف سماجی کارکن ڈاکٹر فہیم بیگ نے کہا کہ سرکاریں بدل رہی ہیں مگر اس اسکول کی حالت نہیں بدل رہی ہے۔ اردو میڈیم اسکول ضرور ہے مگر سارے کام ہندی اور انگلش میں ہو رہے ہیں۔ امتحان غیر اردو داں لے رہا ہے تو کیا یہ اردو میڈیم کے بچیوں پر زیادتی نہیں ہے؟ مگر اس کے ذمے دار صرف اسکول انتظامیہ اور حکومت نہیں ہے بلکہ ہم سب بھی ہیں جو اپنے بچوں کو خود اردو میڈیم سے پڑھانا نہیں چاہتے کیوں کہ اب مسلمانوں میں بھی یہ بات گھر کر چکی ہے کہ اردو میڈیم سے پڑھ کر ترقی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی سرکاری نوکری مل سکتی ہے جس کی وجہ سے وہ اردو سے نالاں نظر آرہے ہیں۔ صرف دو چار اردو اخبارات نکال کر اردو کو تنزلی سے نہیں بچایا جاسکتا بلکہ اس کے لیے گھر گھر اردو بچانے کی مہم چلا کر اپنے بچوں کو اردو پڑھانی ہی ہوگی۔

اسکول کے سابق ایس ایم سی ممبر صادق شیروانی نے بتایا کہ یقیناً یہ اردو کے ساتھ زیادتی ہے کہ اردو میڈیم اسکول میں اردو جاننے والی پرنسپل نہیں ہیں اور پچھلے ایک سال سے تو پرنسپل ہی نہیں ہے۔ انھوں نے بتایا کہ زیادہ طلبہ اور کم اساتذہ ہونے کی وجہ سے پڑھائی بھی متاثر ہو رہی ہے۔ سائنس اور کامرس کے اساتذہ کی شدید ضرورت ہے جس کی مانگ مسلسل کی جارہی ہے مگر نہ تو متعلقہ محکمہ توجہ دے رہا ہے اور نہ ہی حکومت سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ بچیوں کے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے حکومت کو فوراً توجہ دینی چاہیے۔ زینت محل اسکول کی وائس پرنسپل راجیش جین نے نمائندہ 'انقلاب' سے بات کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً بچیاں ہمارے یہاں زیادہ ہیں مگر ہماری کوشش ہے کہ انھیں بہتر سہولت دی جائے اور جہاں تک سوال اساتذہ کے فقدان کا ہے تو اس کی فائل بنا کر زون کو بھیج دی گئی ہے۔ جب اس بابت مقامی رکنِ اسمبلی چودھری زبیر احمد سے بات کی گئی تو انھوں نے کہا کہ حال ہی میں اسکول کا دورہ کیا تھا۔ ہم نے متعلقہ محکمہ سے بھی اپیل کی ہے کہ ایک منزل اور بنائی جائے اور جو جگہ خالی ہے اس پر ایک بلڈنگ بنائی جائے۔ جلد ہی محکمۂ تعلیم اور پی ڈبلیو ڈی کے افسران بھی دورہ کریں گے اور ان شاء اللہ یہ دقت دور ہوجائے گی۔ پرنسپل کی جگہ پُر کرنے اور سائنس، کامرس و دیگر اساتذہ بڑھانے کی بابت ایجوکیشن سکریٹری سے وقت بھی مانگا ہے۔ ابھی اسمبلی سیشن چل رہا ہے اس لیے وقت نہیں ملا ہے۔ دو چار دن میں ملاقات کر ہی لیں گے۔ اسکول میں پانی پینے کے لیے گنگا جل جلد ہی ملے گا اور سیور کی دقت بھی دور ہوجائے گی۔ (انقلاب۔ دہلی)

ضلع کلکٹر آصف آباد کا اُردو میڈیم ہائی اسکول کا دورہ

جنیور، تلنگانہ (25 جولائی)۔ ضلع کلکٹر آصف آباد وینکٹیش دھوترے نے ضلع محکمۂ تعلیم کے افسران کے ہمراہ مستقر آصف آباد میں واقع اردو میڈیم ہائی اسکول کا دورہ کیا اور کلاس رومز، اساتذہ کی طرف سے فراہم کردہ تدریس اور طلبہ کو فراہم کیے جانے والے کھانے کے معیار کا معائنہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ حکومت طلبہ کی فلاح و بہبود کے لیے نت نئے پروگرامس متعارف کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ضلع اور منڈل سطح کے عہدیداروں کو چاہیے کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں آنے والے ہر اسکول کا دورہ کریں اور طلبہ کو فراہم کی جارہی تعلیم، معیاری کھانے اور صحت سے متعلق تفصیلات حاصل کریں اور اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو فوری طور پر ان کے حل کے لیے اقدام کریں۔ انھوں نے کہا کہ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے اقدام کیے جارہے ہیں کہ اسکولوں میں ہر روز صفائی ستھرائی کا کام کیا جائے اور اضافی کلاس رومز، پینے کے صاف پانی اور سرکاری اسکولوں، ہاسٹلوں اور گروکل اسکولوں میں طلبہ کی صحت پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ ضلع کلکٹر نے کمرۂ جماعت میں طلبہ سے بات کی اور طلبہ کی تعلیمی صلاحیت کو جانچنے کے لیے مختلف مضامین میں طلبہ سے سوالات کیے۔ انھوں نے کہا کہ طلبہ کو اعلا اہداف کے تعین اور ان کے حصول کے لیے ارتکاز کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

اُردو زبان کی پرورش زمین پر ہوئی لیکن مقبولیت آسمان تک ہے

اُردو اصنافِ سخن گوئی کی محفل سے پروفیسر اشرف رفیع، پروفیسر ایس اے شکور، مولانا مظفر علی ابوالعلائی اور جاوید کمال کا خطاب

حیدرآباد (30 جون)۔ پروفیسر اشرف رفیع (سابق صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی) نے اساتذہ پر زور دیا کہ وہ طلبہ و طالبات میں مادری زبان اردو سے متعلق زیادہ سے زیادہ شغف پیدا کریں کیوں کہ سماج اور نئی نسل کی تعمیر بالخصوص اردو زبان کی ترقی اساتذہ کی کاوشوں و کوششوں سے ہی ممکن ہے۔ پروفیسر اشرف رفیع صاحبہ نے ان خیالات کا اظہار انجمن ریختہ گویان حیدرآباد کے...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

انجمن ترقی اردو (ہند) ناگپور شاخ کی تشکیلِ نو

ڈاکٹر محمد اسداللہ صدر اور ڈاکٹر اظہر حیات سکریٹری منتخب

ناگپور (19 اگست)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ ناگپور کی جنرل باڈی کی ایک میٹنگ منعقد کی گئی جس کی صدارت ڈاکٹر محمد اسداللہ نے فرمائی۔ انجمن ہٰذا کے سکریٹری ڈاکٹر اظہر حیات نے انجمن کی گذشتہ کارکردگی کا احوال پیش کیا۔ اس کے بعد حاضرین نے اردو کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں مفید مشورے دیے۔

آخر میں انجمن کی تشکیلِ نو عمل میں آئی۔ اس کی رو سے ڈاکٹر اظہر حیات سکریٹری اور ڈاکٹر محمد اسداللہ نے صدر کی حیثیت سے دوبارہ ذمے داری قبول کر لی۔ اسی طرح مسز ڈاکٹر کرن اشوک دھوڑ کو نائب صدر کی ذمے داری سونپی گئی ہے اور جناب شیخ عبدالوحید نے خازن کی حیثیت سے ذمے داری قبول فرمائی ہے۔ جب کہ ڈاکٹر شکیل جہانگیر، ڈاکٹر غلام السیدین ربانی، ڈاکٹر اظہر ابرار، پروفیسر محمد اسرار، ڈاکٹر ثمیر کبیر، جناب محبّ الامین، جناب ریحان کوثر، ڈاکٹر ریشماں تزئین، پروفیسر زرینہ سلیم، ڈاکٹر نصرت مینو، ڈاکٹر ناہید سوری، ڈاکٹر صبیحہ خورشید اور ڈاکٹر روحینہ سیّد کو ایکزیکیٹو ممبران کی حیثیت سے انجمن میں شامل کیا گیا۔ واضح ہو کہ انجمن ترقی اردو شاخ ناگپور کا قیام 2004 میں عمل میں آیا تھا۔ ناگپور یونی ورسٹی میں شعبۂ اردو کے قیام اور مہاراشٹر راجیہ اردو اکادمی کے قیام کے حوالے سے انجمن کی کوششیں قابلِ قدر ہیں۔ علاوہ ازیں ناگپور کے سنٹرل جیل میں مشاعرے کا انعقاد ناگپور کی اردو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انجمن کے زیرِ اہتمام شہر میں ماہانہ ادبی نشستوں کا انعقاد بھی اردو حلقوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ انجمن کے نومنتخب تمام ممبران اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے پُرعزم ہیں۔ اس حوالے سے نیا لائحہ عمل بھی بنایا جائے گا۔

اُردو کونسل ہند کا یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں اُردو سائن بورڈ لگوانے کا مطالبہ

پٹنہ (19 اگست)۔ اردو کونسل ہند کے ایک سہ رکنی وفد نے گورنر بہار عزت مآب عارف محمد خاں سے ملاقات کر کے یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں ہندی کے ساتھ اردو میں بھی سائن بورڈ اور نیم پلیٹ لگانے کا مطالبہ کیا۔ وفد میں کونسل کے صدر اختر الایمان، ناظمِ اعلا اسلم جاوداں اور امتیاز احمد کریمی شامل تھے۔ وفد نے گورنر کو عرض داشت پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو بہار کی دوسری سرکاری زبان ہے اور تمام یونی ورسٹیوں، کالجوں اور متعلقہ دفاتر میں اُردو میں سائن بورڈز لگانا لازمی ہے، تاہم اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے جو اردو زبان کے ساتھ ناانصافی ہے۔ کونسل نے گورنر سے بطورِ چانسلر مطالبہ کیا کہ وہ تمام اعلا تعلیمی اداروں میں اردو سائن بورڈ کے استعمال کا حکم جاری کریں۔ گورنر نے وعدہ کیا کہ وہ اس پر عمل درآمد کے لیے ہدایات جاری کریں گے۔ اس موقعے پر اسلم جاوداں نے گورنر کو اپنی کتاب 'میری نظر میں' بھی پیش کی۔ (انقلاب۔ دہلی)

سرکاری اسکولوں میں سہولتوں کی فراہمی کا مطالبہ

کریم نگر (8 اگست)۔ اسٹوڈنٹ اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا (SIO) کریم نگر سٹی کے ایک وفد نے ضلع کلکٹر محترمہ پامیلا سے ملاقات کی۔ سرکاری اسکولوں کے طلبہ کو درپیش مشکلات پر تبادلۂ خیال کرنے کے لیے ملاقات کے دوران وفد نے خطے کے 30 سے زائد سرکاری اسکولوں کے سروے پر مبنی ایک جامع رپورٹ کلکٹر کو پیش کی۔ رپورٹ میں ناکافی انفراسٹرکچر اور اسکول کی سہولیات میں بہتری کی فوری ضرورت کے حوالے سے خدشات پر روشنی ڈالی گئی۔ وفد کی قیادت محمد عبدالتاج (کیمپس سکریٹری، ایس آئی او، تلنگانہ)، سمعان رفید (سٹی صدر، ایس آئی او، کریم نگر) اور سلمان محی الدین (یونٹ سکریٹری) نے کی اور ضلع کلکٹر سے اپیل کی کہ وہ سرکاری اسکولوں میں طلبہ کے لیے محفوظ، معاون اور مثبت تعلیمی ماحول بنانے کے لیے فوری کارروائی کریں۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

اردو اسکول میں غیر اردوداں ہیڈ ماسٹر کو جوائن کرانے آئے ڈی پی او ویشالی کو مزاحمت کا سامنا

حاجی پور (24 جولائی)۔ ویشالی ضلع کے حاجی پور صدر بلاک حلقے کے اردو پرائمری اسکول قلعہ لڑوئی میں تین دنوں سے نوین کمار نامی غیر اردوداں صدر مدرّس جوائن کرنے آ رہے تھے، مگر گاؤں والوں نے انھیں جوائن کرنے نہیں دیا یہاں تک کہ وہ مقامی اسکول میں بیٹھ گئے۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ اسکول اردو میڈیم ہے اور ایک عرصے سے اس اسکول میں اردو صدر مدرّس مقرر ہوتے رہے ہیں۔ چوں کہ سبھی رجسٹر اردو میں ہے، ہم کسی قیمت پر غیر اردوداں کو جوائن کرنے نہیں دیں گے۔ بی پی ایس سی ہیڈ ماسٹر نوین کمار واپس لوٹ گئے اور آج اس معاملے کو حل کرنے خود ڈی پی او ویشالی قلعہ لڑوئی گاؤں کے اسکول میں پہنچ گئے جہاں لوگوں نے انھیں کھری کھوٹی سنائی۔ پروگرام آفیسر نے لوگوں کو سمجھایا مگر گاؤں والوں کا کہنا تھا کہ اردو جاننے والے گر غیر مسلم بھی صدر مدرّس مقرر کیے جائیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام

'ایک شام صحافیوں کے ساتھ' مشاعرے کا انعقاد

نئی دہلی (21 جون، پریس ریلیز)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام ایک مشاعرہ بعنوان 'ایک شام صحافیوں کے ساتھ' ایوان غالب میں منعقد ہوا۔ مشاعرے کی صدارت جناب معصوم مرادآبادی نے کی۔ صدارتی تقریر میں انھوں نے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ میں علمی اور ثقافتی پروگرام منعقد ہوتے رہتے ہیں لیکن آج کی شام اس لیے بھی یادگار رہے کہ صحافیوں کو اپنے ادبی جوہر دکھانے کا بھی موقع ملے گا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ اردو ادب میں صحافیوں کی خدمات قابلِ فخر ہیں لیکن اکثر ان کی ادبی خدمات عوام سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں۔ اسی سبب سے ہم نے ایک ایسا مشاعرہ منعقد کیا ہے جس کے صدر، ناظم، مہمانِ خصوصی اور شعرا سبھی صحافی ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ یہ مشاعرہ بہت یادگار ثابت ہوگا۔ جناب ودود ساجد نے مشاعرے میں بحیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ جناب شکیل حسن شمسی اور جناب اسد رضا بحیثیت مہمانِ اعزازی مشاعرے میں شریک ہوئے۔ مشاعرے کی نظامت کے فرائض جناب معین شاداب نے انجام دیے۔ مشاعرے میں جناب معصوم مرادآبادی، جناب شکیل حسن شمسی، جناب اسد رضا، جناب ماجد دیوبندی، جناب معین شاداب، جناب ضمیر ہاشمی، جناب ارشد ندیم، جناب شعیب رضا فاطمی، جناب انجم جعفری، جناب امیر امروہوی، جناب حبیب سیفی، جناب جاوید قمر، جناب فرمان چودھری، جناب خصال مہدی اور جناب قاسم شمسی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

رفتید ولے نہ از دلِ ما

ڈاکٹر ستیہ پال آنند

اردو کے مشہور و ممتاز ادیب، شاعر اور نقاد ڈاکٹر ستیہ پال آنند کا 2 اگست 2025 کو 94 برس کی عمر میں کناڈا میں انتقال ہو گیا۔ اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی میں ان کی درجنوں تصانیف ہیں جن میں ناول، افسانوی مجموعے اور شعری مجموعے کے ساتھ ہی ایک خودنوشت بھی شامل ہے۔ ان زبانوں کے علاوہ ڈاکٹر ستیہ پال کو عربی اور فارسی پر بھی خاصا عبور حاصل تھا۔ ستیہ پال آنند 24 اپریل 1931 کو متحدہ پنجاب کے ضلع چکوال (جو اَب پاکستان میں ہے) میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے پرائمری تعلیم 'کوٹ سارنگ' کے سرکاری اسکول سے مادری زبان پنجابی میں حاصل کی۔ تقسیم کے بعد وہ خاندان کے ہمراہ ہندستان (لدھیانہ) چلے آئے۔ انگریزی میں پنجاب یونی ورسٹی چنڈی گڑھ سے ایم اے کیا، اعلا تعلیم کے لیے انگلستان گئے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹریٹ کی دوسری ڈگری انھوں نے ٹیکساس کے ٹرینیٹی یونی ورسٹی سے حاصل کی۔ اس کے بعد امریکہ میں سکونت اختیار کر لی۔ اس دوران وہاں کی 13 مختلف یونی ورسٹیوں میں انھوں نے تدریسی خدمات انجام دیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ (ادارہ)

اقبال دانش

پریاگ راج۔ اردو کے مشہور و ممتاز نعت گو اور استاد شاعر اقبال دانش کا طویل علالت کے بعد 15 جولائی 2025 کی سہ پہر انتقال ہو گیا۔ نمازِ جنازہ بعد نمازِ عشاء گلاب باڑی واقع مسجد میں ادا کی گئی اور حسن منزل قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اقبال دانش نے شاعری کا آغاز تقریباً بیس برس کی عمر سے کیا۔ شاعری میں انھوں نے اپنے عہد کے معروف شاعر ماہر الحمیدی کو اپنا استاد تسلیم کیا۔ ویسے تو اقبال دانش نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن صنفِ نعت ان کی محبوب صنف تھی۔ اپنے مخصوص لب و لہجے اور پاٹ دار آواز کے سبب مشاعروں کی دنیا میں اقبال دانش کی شخصیت ہر دل عزیز مانی جاتی تھی اور ان کا شمار الٰہ آباد کے مقبول ترین شاعروں میں ہوتا تھا۔ ان کی غزلوں کے دو مجموعے 'میزان' اور 'چراغِ شام' کے بعد ایک نعتیہ مجموعہ 'جانِ جاناں' منظرِ عام پر آ کر ادبی دنیا میں داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اقبال دانش کے ذہن و فکر نے جس انداز سے سرمایۂ نعت گوئی کو اپنی گراں قدر شعری خدمات سے مالا مال کیا وہ ان کو تادیر زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

پریم چند نے اپنے فکشن میں انسانی رشتوں اور سماجی حقیقتوں کو موضوع بنایا۔ احمد صغیر

گیا (پریس ریلیز)۔ جن سنسکرتی منچ گیا ضلع اکائی کی طرف سے 31 جولائی 2025 کو پریم چند جینتی کے موقعے پر ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا، جس کا عنوان تھا 'پریم چند کی تخلیقی معنویت آج کے تناظر میں'۔ اس سمینار کی مجلسِ صدارت میں کامریڈ مراری شرما، سنیل کمار، معصوم عزیز کاظمی، ڈاکٹر عبدالحیٔ اور کنال تھے۔ جب کہ نظامت فیضان الرحمٰن نے کی۔

پروگرام کے آغاز میں کامریڈ مراری شرما کو ادبی دنیا میں ان کی بے لوث دل چسپی اور خدمات کے اعتراف میں اعزاز سے نوازا گیا۔ اس موقعے پر جن سنسکرتی منچ کی طرف سے ایک شال اور مومنٹو پیش کیا گیا۔ سنیل کمار نے ان کے بارے میں بتایا کہ کامریڈ مراری شرما نے جن سنسکرتی منچ کو اپنے خون سے سینچا ہے۔ 90 سال کے ہونے کے باوجود ہر میٹنگ اور ہر پروگرام میں شامل رہتے ہیں، یہاں تک کہ قومی کنونشن میں بھی دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ ان کی اس ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : گلدستوں میں شعرائے اعظم گڑھ اوران کا نادر کلام
مصنف : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
اشاعت : جولائی 2024
ضخامت : 360 صفحات
قیمت : 400 روپے
ناشر : ادبی دائرہ، اعظم گڑھ-276001
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

زیرِ تبصرہ کتاب 'گلدستوں میں شعرائے اعظم گڑھ اوران کا نادر کلام' ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی برسوں کی محنتِ شاقہ کا نتیجہ ہے۔انھوں نے اس کام کا ڈول کئی سال قبل ڈالا تھا۔لیکن دیگر ادبی مصروفیات کے سبب یہ کام 2024 میں منصۂ شہود پر آیا۔حالاں کہ الیاس صاحب نے اپنے حرفِ آغاز میں اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے کی مکمل تفصیل بتاتے ہوئے لکھا کہ 2008 میں جب ان کی کتاب 'متعلقاتِ شبلی' منظرِ عام پر آئی تو اس کی پشت پر عنقریب شائع ہونے والی نئی کتابوں میں 'چند شعرائے اعظم گڑھ' کا نام بھی شامل تھا۔موصوف نے اس کی مزید تفصیل میں لکھا کہ اسی زمانے میں مولانا قمر الزماں مبارک پوری 'سخنورانِ اعظم گڑھ' کو ترتیب دے رہے تھے۔انھوں نے الیاس صاحب کو مشورہ دیا کہ ہم دونوں کا کام تقریباً ایک جیسا ہے، اس لیے وہ اپنے کام کا رُخ بدل لیں۔الیاس صاحب نے اپنے کام کو دوسرا رُخ دیتے ہوئے 'گلدستوں میں شعرائے اعظم گڑھ اور ان کا نادر کلام' پر کام شروع کیا۔علامہ شبلی کی ادبی خدمات کو منظرِ عام پر لاتے ہوئے انھیں اُردو رسائل اور گلدستوں میں شعرائے اعظم گڑھ کا جو کلام ملا انھوں نے اس پر مربوط و مبسوط مقدمہ تحریر کر کے اسے کتابی قالب میں پیش کیا۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے زیرِ نظر کتاب میں 94 معروف و غیر معروف شعرائے اعظم گڑھ کا کلام پیش کیا ہے۔انھوں نے شعرا کے کلام کے ساتھ ان کے مختصر حالاتِ زندگی کو بھی زینتِ قرطاس بنایا ہے۔شعرائے اعظم گڑھ کی فہرست سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں بہت سے نام ایسے ہیں جنھیں قارئین نے پہلی مرتبہ سُنا ہے۔لیکن الیاس صاحب نے اپنی تحقیق و تلاش میں تمام گم نام شعرا کے حالاتِ زندگی کو قلم بند کیا۔الیاس صاحب نے اپنے مقدمے میں اس بات کی وضاحت کی کہ انھوں نے زیرِ نظر کتاب کے لیے کتنی مشقتیں اٹھائی ہیں۔انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اعظم گڑھ کو راجہ اعظم خان نے بسایا ضرور تھا لیکن اس کے نام کو تا قیامت شہرتِ دوام بخشنے میں علامہ شبلی کا کردار درخشندہ ستارے کی مانند ہے۔بلا شبہ علامہ شبلی ایک باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ان جیسا جید عالم و فاضل صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔مولانا حالی نے علامہ شبلی کی علم و ادب پروری کو دنیا کے سامنے عیاں کرتے ہوئے کہا تھا:

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحیدِ عصر و یکتائے زمن دیکھیں

ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے اعظم گڑھ کے شعرا کے کلام اور گلدستوں کی تاریخ پر جو اپنا مطمحِ نظر واضح کیا وہ پڑھنے سے متعلق ہے۔انھوں نے اپنے مقدمے میں گلدستوں کی تاریخ اور ان کی ادبی اہمیت پر تحقیقی شواہد پیش کرتے ہوئے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ دورِ حاضر میں اُردو گلدستوں کی ادبی خدمات کو ہم لوگوں نے فراموش کر دیا ہے۔دانش گاہوں میں ان گلدستوں پر کوئی بھی تحقیقی مقالہ نہیں لکھا گیا ہے۔یہاں تک کہ گلدستوں کی تاریخ اور ان کی ادبی اہمیت سے متعلق کوئی بھی کتاب منظرِ عام پر دکھائی نہیں دیتی۔انیسویں صدی کے نصف اور بیسویں صدی کے نصف تک ان گلدستوں نے شعرا کے کلام کو جس سلیقے کے ساتھ شائع کیا وہ قابلِ تعریف ہے۔ان گلدستوں میں ایسے شعرا کا کلام بھی شائع ہوا جن کے نام سے بھی ہم واقف نہیں۔اس لحاظ سے گلدستوں میں شامل شعرا کے کلام کا مطالعہ اُردو ادب کے فروغ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان گلدستوں نے اُردو شعرا کے کلام کو محفوظ کرنے اور ان کے نادر کلام کی اشاعت میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ان گلدستوں میں باقاعدہ طرح دی جاتی تھی جس پر شعرا لکھ کر اپنا کلام ارسال کرتے تھے۔یہ گلدستے اپنے زمانے کے مشہور و مقبول رسالے تھے۔مولانا امداد صابری کی تحقیق کے مطابق اُردو کا پہلا گلدستہ 1845 میں دہلی سے 'گلِ رعنا' کے نام سے شائع ہوا۔اس کے بعد ہندستان کے مختلف شہروں سے اُردو گلدستوں کی اشاعت ہونے لگی۔جن گلدستوں کو اُردو دنیا میں شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ان میں آفتاب (ممبئی)، ارمغان (ہردوئی)، القمر (مرادآباد)، باغِ سخن (میرٹھ)، جلوۂ یار (میرٹھ)، دامنِ گل چیں (لکھنؤ)، ریاضِ سخن (لاہور)، غنچۂ جاوید (بمبئی)، فصیح الملک (مارہرہ)، گل چیں (لکھنؤ)، گلستانِ سخن (رنگون)، گلدستۂ دامن بہار (آگرہ)، محبوب الکلام (حیدرآباد) اور پیامِ یار (لکھنؤ) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔یہ گلدستے زیادہ تر ماہ نامہ کی شکل میں شائع ہوتے تھے۔مالی دشواریوں، ڈاک کی تاخیر، کاتب حضرات کی عدم دستیابی، کاغذ کی نرخ میں اضافہ اور سرکاری احکام کے سبب کبھی کبھی ان کی اشاعت کئی کئی ماہ بعد ہوتی تھی۔ان گلدستوں کے اپنے اصول وضوابط تھے جو اندرونِ صفحہ لکھے ہوتے تھے۔ان گلدستوں میں شائع شدہ کلام پر مباحثے بھی شائع ہوتے تھے جو قارئین اور شعرا کے لیے بہت ہی سودمند ثابت ہوتے تھے۔گلدستہ 'جلوۂ یار' میں نوح ناروی کا مباحثہ 'طوفانِ نوح' اس کی عمدہ مثال ہے۔الیاس صاحب نے اپنی تحقیق میں یہ بتایا ہے کہ اُردو کے سوا دنیا کی کسی دوسری زبان میں گلدستوں کا رواج موجود نہیں۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے زیرِ نظر کتاب میں جن 94 شعرا کا کلام شامل کیا ان میں کچھ علامہ شبلی کے معاصرین اور کچھ متقدمین تھے۔انھوں نے شعرا کی فہرست ان کے تخلص کے اعتبار سے تیار کی۔الیاس صاحب نے اپنے مقدمے میں اس بات کا اعتراف کیا کہ کتاب میں شامل اعظم گڑھ کے شعرا کا کلام حتمی نہیں ہے۔انھوں نے مقدمے میں لوگوں سے درخواست کی ہے کہ اگر انھیں شعرائے اعظم گڑھ کا کلام گلدستوں میں مل جائے تو اسے ان تک پہنچا دیا جائے تاکہ آئندہ اسے کتابی شکل میں پیش کیا جا سکے۔الیاس صاحب نے اردو گلدستوں میں شامل شعرا بالخصوص اعظم گڑھ اور اس کے مواضعات سے تعلق رکھنے والے شعرا کی تعداد کو قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے لکھا:

> "ضلع اعظم گڑھ کے تقریباً تمام اہم اور قابلِ ذکر مقامات کے شعرا کا کلام اس کتاب میں شامل ہے۔ان میں سب سے زیادہ اعظم گڑھ شہر کے 21 شعرا شامل ہیں۔مبارک پور کے 14، قصبہ محمد آباد گوہنہ کے 8، موضع سمبھی کے 5، اور چریا کوٹ، مئو، مسلم پٹی، علاء الدین پٹی، بندول اور جیراج پور کے دو دو شعرا کا کلام شامل ہے۔دیگر مواضعات کے ایک ایک شاعروں کا کلام ہی دستیاب ہو سکا ہے۔اس میں شامل شعرا کی ایک بڑی تعداد 12 ایسی ہے جن کی جائے سکونت تلاش و تحقیق کے باوجود اب تک معلوم نہیں ہو سکی ہے۔" (ص 15)

اس موقعے پر کتاب میں شامل اعظم گڑھ کے شعرا کے کلام کا نمونہ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے:

احمر: محمد فیضان اللہ

اک جھلک ہم کو دکھانا چاہیے
مثلِ موسیٰ ہوش اُڑانا چاہیے
ہم کو وحشت ہے بلا سے آپ کی
آپ کو زلفیں بنانا چاہیے

اختر: بشیر احمد

وہ تھا عزلت گزیں خلوت دل
جسے ہم ڈھونڈھ آئے لا مکاں پر
نہ اٹھوں گا میں نقش پا کے مانند
اگر پہونچا تمھارے آستاں پر

بہر کیف! ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شبلی شناسی میں تو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں لیکن انھوں نے شعرائے اعظم گڑھ کے نادر و نایاب کلام کو کتابی صورت میں پیش کر کے انھیں لازوال بنا دیا ہے۔انھوں نے سیکڑوں اُردو گلدستوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس میں سے اعظم گڑھ کے شعرا کا کلام تلاش کیا۔تحقیق و تدوین کے میدان میں کام کرنے والے افراد جانتے ہیں کہ یہ کام کوئی آسان نہیں۔اس لحاظ سے الیاس صاحب نے اعظم گڑھ کے مشہور اور کم معروف شعرا کے کلام کو کتابی شکل میں محفوظ کر کے اسے آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا خوش آیند کام کیا ہے۔کتاب کی پشت پر ضیاء فاروقی (بھوپال) نے الیاس صاحب کی تحقیقی و تدوینی صلاحیتوں اور زیرِ نظر کتاب میں شامل اعظم گڑھ اور اس کے مواضعات کے شعرا کے کلام کو کتابی صورت میں محفوظ کرنے کے عمل کی ستایش کی ہے۔الیاس صاحب نے کتاب کے آخر میں اُن کتابوں کی فہرست شامل کی جن سے انھوں نے استفادہ کیا۔کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔کتاب کا سرورق دیدہ زیب اور طباعت اعلا ہے۔اس موقعے پر راقم ڈاکٹر الیاس صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی ادبی مشاطگی سے شعرائے اعظم گڑھ کے کلام کو اُردو گلدستوں کے اوراق سے نکال کر اسے کتابی قالب میں پیش کر جاودانی عطا کی۔

◆◆◆

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

ناصر کاظمی کی شاعری: ایک جائزہ

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

''یاد وہ کلید ہے جس سے ہر رات ناصر اپنے سُونے مکان کے زنگ آلود تالے کو کھولتا ہے۔''

اگر یاد کی قوت ناصر کا ساتھ نہ دیتی، تو ان کا تن ہی نہیں من بھی کسی خستہ حال مشین کی طرح ہکلانے لگتا اور وہ شعر کہنے کی سکت ہی سے محروم ہو جاتے:

پرانی صحبتیں یاد آ رہی ہیں
چراغوں کا دھواں دیکھا نہ جائے
دلِ ویراں میں دوستوں کی یاد
جیسے جگنو ہوں داغ میں گل کے

وزیر آغا اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

'برگِ نے' تو یادوں کا ایک ذخیرہ ہے جس میں طرح طرح کے واقعات، حادثات، ہجر، ملال، تنہائیاں، اُداسیاں، افسردگی، سونی راتیں، پت جھڑ، گل، گلشن، دوست، احباب سب ہی جمع ہیں اور سب آپس میں چہ میگوئیاں کرتے نظر آتے ہیں۔ اپنا آبائی مسکن انبالہ اُن کی یادوں کا مسکن ہے:

انبالہ ایک شہر تھا سنتے ہیں اب بھی ہے
میں ہوں اسی لٹے ہوئے قریے کی روشنی
اے ساکنانِ خطۂ لاہور دیکھنا
لایا ہوں اس خرابے میں لعلِ مدنی

لاہور کتنا ہی شہروں کا شہر نہ کہلائے مگر اپنے آبائی وطن سے انسان کو ایک فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ خارجی اور شعوری طور پر تو انسان دوسری جگہ بس جاتا ہے مگر داخلی اور لاشعوری طور پر وہ اپنے اسی گھر میں ہوتا ہے جہاں اس نے جنم لیا ہوتا ہے۔ جہاں اس نے اپنا بچپن گزارا ہے، اس لیے اس کے خیالات کا دھارا اور تصور کا بہاؤ ہمیشہ اپنی جائے پیدائش کی طرف ہوتا ہے ایسی صورتِ حال میں یہ فطری سی بات ہے کہ انسان نفسیاتی بیماریوں کا شکار رہتا ہے اور وہ اس سے نجات پانے کے لیے اور ماضی میں مراجعت کرنے کے لیے تنہائی پسند کرتا ہے۔ جدیدیت میں 'تنہائی' کا رجحان ناصر کی شاعری ہی سے پروان چڑھا اور اپنی مستحکم بنیاد بنانے میں کامیاب ہوا۔ ناصر نے بھی خود کو تنہائی کے جوکھم سے گزارا اور فرد کی تنہائی کو مختلف امیجز کے ذریعے اُجاگر کیا ہے۔ مثلاً درختوں، اینٹوں، گلیوں اور بارشوں وغیرہ سے۔ ایک انٹرویو میں پوچھے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے انتظار حسین سے کہتے ہیں:

''شاعر جو ہے وہ ساری انسانیت کے بارے میں سوچتا ہے۔ انسان جو بھی، جہاں بھی ہو، تخلیقی ہو سکتا ہے، اسے تخلیقی ہونا چاہیے، یہی اس کی معراج ہے، لیکن اس معراج کو پانے کے لیے اسے تنہائی کے جوکھم سے گزرنا پڑے گا۔ 'برگِ نے' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''ہمارے زمانے کا شاعر کئی اعتبار سے اکیلا ہے۔''

تنہائی کا دکھ گہرا تھا　　میں جنگل جنگل روتا تھا

اس غزل میں مطلع کے ایک شعر کے بعد ہر شعر میں تنہائی کا ذکر کیا ہے۔ 'نشاطِ خواب'، 'شہرِ غریب'، 'نیا سفر' ان تین طویل نظموں کے علاوہ 'بارش کی دعا'، 'گجرے پھولوں کے' اور 'ساتواں رنگ' مختصر نظمیں بھی ہیں۔ اس مجموعے میں وہ ایک ذمے دار اور حساس فرد کی صورت میں سامنے آتے ہیں جس میں اُن کے دل میں مذہب اور اپنے وطن کی محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ناصر کاظمی کی شاعری ذہنی روش کی عکاس دکھائی دیتی ہے۔ چوں کہ وہ غزل کے تلازمات اور تغزل کے مضامین کو فنکارانہ طور پر برتنے میں مہارت رکھتے ہیں، اس لیے ان کی غزلیں منفرد اسلوب کی ضامن ہیں۔

عفت پروین
سمری ہائی اسکول، دربھنگہ (بہار)

اُردو زبان کی پرورش زمین پر ہوئی لیکن مقبولیت آسمان تک ہے

(بقیہ صفحہ 4 سے آگے)

زیرِ اہتمام 'اُردو اصنافِ سخن گوئی' کی ساتویں محفل سے 29 جون کو ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ باغِ عامہ نامپلی میں خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے اردو زبان کی شیرینی اور مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ 'اُردو زبان کی پرورش زمین پر ہوئی ہے اور اس کی مقبولیت آسمان تک ہے۔' جس طرح اہل حیدرآباد کو ہی نہیں بلکہ دنیا کے ایک بڑے حصے کو کھٹّی دال پسند ہے اُسی طرح اُردو زبان کا مزہ بھی منہ سے نہیں چھوٹتا۔ پروفیسر اشرف رفیع نے مزید کہا کہ ہر شخص اپنی مادری زبان میں بات چیت کرنے کو ہی ترجیح دیتا ہے لیکن اہلِ اُردو، اگر ضرورت نہ ہو تب بھی انگریزی میں ہی بات کرنے کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اُردو والوں پر زور دیا کہ وہ گھروں میں زیادہ سے زیادہ اردو میں بات چیت کا ماحول بنائیں۔ انھوں نے کہا کہ ایک ایسا بھی وقت اور دور گزرا ہے کہ کسی کو پانی پیش کیا جاتا تھا تو سلام کر کے پیش کیا جاتا تھا اور جب گلاس واپس لی جاتی تو پانی پینے والا بھی اور پلانے والا بھی ایک دوسرے کو ادب سے سلام کیا کرتے تھے۔ ایسی تہذیب اور روایات کا احیا ہونا وقت کا تقاضا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو ہماری تہذیب اور پہچان ہے۔ انھوں نے دل چسپ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ خاص بات یہ ہے کہ جو اردو کے مخالف ہیں وہ بھی اردو زبان میں ہی اردو کی مخالفت کرتے ہیں۔ پروفیسر ایس اے شکور (ڈائرکٹر دائرۃ المعارف) نے کہا کہ اردو بولنے والوں کی تعداد اب دنیا بھر میں کروڑوں سے تجاوز کر گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جس زبان کا رسمِ خط ہو وہ زبان ختم نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان میں فلمی صنعت کی وجہ سے ہی اردو زبان کا استحکام ہوا ہے۔ پروفیسر ایس اے شکور نے کہا کہ صرف حکومتوں پر انحصار کے بجائے اردو زبان جاننے والے اردو کے فروغ میں ہر ممکن حصّہ لیں اور اپنے بچوں کو اردو مدارس میں داخل کرائیں۔ انھوں نے کہا کہ اعداد و شمار کے مطابق ریاست میں ایک لاکھ 41 ہزار بچے اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس میں مزید خاطر خواہ اضافے کی ضرورت ہے۔ مولانا مظفر علی صوفی ابوالعلائی نے ڈاکٹر جاوید کمال اور ان کے رفقا کو مبارکباد دی کہ وہ اردو کے فروغ کے لیے اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ پروفیسر عبدالرب منظر نے اردو اضاف سخن گوئی کی محفل کو اردو ادب کی منفرد محفل قرار دیتے ہوئے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ صدر انجمن ریختہ گویان ڈاکٹر جاوید کمال نے اضافِ سخن گوئی کی نشست کے تمام مقررین اور شرکا کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ شرکا کی شرکت سے کام کرنے کے جذبے کو تقویت ملتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ محبانِ اردو کے تعاون سے یہ کارواں آگے بڑھتا ہی رہے گا۔ ڈاکٹر سجن سنگھ نے حیدرآبادی تہذیب و تمدن کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہاں جتنی اہمیت بریانی کی ہے اتنی ہی اہمیت کھٹّی دال کی بھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ حیدرآباد دکن کے پانی کی تاثیر ہے کہ وہ سب میں آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتا ہے۔ عطیہ مجیب عارفی نے بڑے ہی دلنشین انداز میں پروگرام کو آگے بڑھایا اور برجستہ اشعار سناتے ہوئے محفل میں خوش گوار فضا کو بنائے رکھا۔ سیّد واجد محی الدین نے ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کا افسانہ 'کابلی والا' سنایا جسے بے حد پسند کیا گیا۔ جناب لطیف الدین نے حسبِ روایت مزاحیہ کلام سنا کر محفل کو زعفران زار کر دیا۔ ممتاز ادیبہ و شاعرہ محترمہ رفیعہ نوشین نے اسماعیل میرٹھی کی نظم بعنوان 'دال کی فریاد اور اس کا تجزیہ' (ایک استعاراتی مرثیہ برائے نسوانی وجود) پیش کیا جسے سامعین نے بے حد پسند کیا۔ ڈاکٹر حمیرہ سعید (صدر شعبۂ اردو گولکنڈہ ویمن کالج) نے خواجہ حسن نظامی کا تحریر کردہ انشائیہ 'جھینگر کا جنازہ' سنایا جو بہت ہی سبق آموز رہا۔ ڈاکٹر جاوید کمال نے ادبی لطائف سنائے اور محفل کو خوب گرمایا۔ جناب سید جاوید محی الدین نے نظم 'عورت' سنائی جو کیفی اعظمی کی لکھی ہوئی تھی۔ ممتاز صحافی جناب کے. این. واصف نے افسانچہ 'عورتیں جھوٹ نہیں بولتیں' سنایا جو بہت ہی دل چسپ تھا۔

پریم چند نے اپنے فکشن میں انسانی رشتوں اور سماجی حقیقتوں کو موضوع بنایا

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

بے لوث خدمات کے اعتراف میں جن سنسکرتی منچ نہ صرف ان کی عزت افزائی کرتا ہے بلکہ ان کی خدمات کو سلام کرتا ہے۔

اس کے بعد سمینار کا آغاز ہوا۔ کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے احمد صغیر نے کہا کہ پریم چند نے اپنے فکشن میں جس طرح کے انسانی رشتوں اور سماجی حقیقتوں کو موضوع بنایا اور ان کے تئیں جو وابستگی، سپردگی اور فنکاری دکھائی وہ اب معدوم سی ہو گئی ہے۔ اگرچہ ان کے بعد کے افسانہ نگاروں میں سماجی اور سیاسی بیداری زیادہ تھی اور روایت سے انحراف بھی تھا اور وہ انحراف اس لیے بھی تھا کہ وہ پریم چند کا سا مخصوص دردمندانہ اسلوب اپنا نہیں سکتے تھے، اس لیے انھیں الگ ہونا پڑا۔ نئی فکر اور نئے اسلوب کے حوالے سے ایسا ہوتا ہے۔

اس کے بعد علیشہ ملک، آرزو پروین، میم. نازش، نوشابہ پروین اور معراج غنی نے مقالے پیش کیے۔ ڈاکٹر نزہت پروین نے پریم چند کا افسانہ 'نجات' کا تجزیہ پیش کیا۔ تبسم فرحانہ نے نظم پیش کی، آفتاب عالم نے پریم چند کی تخلیق کا جائزہ لیا۔

سنیل کمار نے اپنی تقریر میں کہا کہ آج لوگ پریم چند کو بھولتے جا رہے ہیں۔ پریم چند نے برہمن واد کے خلاف اپنی تخلیق کے ذریعے آواز بلند کی۔

ڈاکٹر عبدالحیٔ نے کہا کہ پریم چند نے کہا تھا کہ حسن کا معیار بدلنا ہوگا، اس لیے انھوں نے اپنے افسانوں میں کسانوں، مزدوروں اور پسماندہ طبقے کو پہلی بار سامنے لایا۔ کنال نے کہا کہ آج پریم چند ہوتے تو ان کے ساتھ کیا ہوتا۔ جھارکھنڈ کی بچی بھات بھات کہتے ہوئے مر جاتی ہے، آج بھی وہی حالات ہیں جو پریم چند کے وقت میں تھے۔

معصوم عزیز کاظمی نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ پریم چند کے ادب کی اہمیت اس سے اور زیادہ کیا ہوگی کہ آج 145 سال کے بعد بھی ہم ان کو یاد کر رہے ہیں۔ پریم چند نے دبے کچلے لوگوں کو بیدار کیا اور احتجاج بلند کیا نیز ظلم کے خلاف آواز اُٹھائی۔ پریم چند نے پہلی بار عوام کے لیے ادب پیش کیا۔

◆◆◆

بہار میں اردو پر ایک اور ستم

انوارالحسن وسطوی

بہار میں اردو درس و تدریس کے تعلق سے گذشتہ پانچ برسوں میں محکمۂ تعلیم کے ذریعے کئی ایسی ناانصافیاں کی گئی ہیں جن کے سبب ریاست میں اردو کی جڑ کٹتی جارہی ہے اور اردو کی بقا پر سوالیہ نشان لگتا جارہا ہے۔ پہلا واقعہ 2020 کا ہے جب محکمہ سکنڈری ایجوکیشن کے مکتوب نمبر 799 مورخہ 15 /مئی 2020 کے ذریعے یہ سرکلر جاری کیا گیا کہ ریاست کے سکنڈری اور ہائر سکنڈری اسکولوں میں صدر مدرّس کو چھوڑ کر کل 6 اساتذہ مامور رہیں گے۔ یہ اساتذہ ہندی، انگریزی، حساب، سائنس اور سماجیات کے ہوں گے۔ چھٹی پوسٹ کس موضوع کے استاد کی ہوگی (سنسکرت، بنگلہ، میتھلی، بھوجپوری، پالی، پراکرت، مگہی، اردو، فارسی، عربی، موسیقی) اس کی کوئی وضاحت یا صراحت سرکلر میں نہیں ہے۔ بہار کی اردو آبادی اور اردو تنظیموں کی جانب سے جب مذکورہ سرکلر پر اعتراض کیا گیا اور ماڈل منڈل میں ترمیم کرتے ہوئے اردو استاد کے لیے ایک پوسٹ مختص کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو حکومت کی جانب سے وزیرِ تعلیم بہار نے یہ جواب دیا کہ ''سرکار اردو کے فروغ اور تحفظ کے لیے پابندِ عہد ہے۔ لہٰذا جس اسکول میں بھی اردو کے طلبہ ہوں گے وہاں اردو ٹیچر مامور کیے جائیں گے۔'' وزیرِ اعلا بہار شری نتیش کمار بھی گذشتہ بیس سالوں کے درمیان متعدد بار یہ بات کہہ چکے ہیں۔ واضح ہو کہ سرکاری فیصلہ زبانی اعلان سے نہیں سرکلر اور قانون کے ذریعے ہوتا ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ مذکورہ سرکلر جاری ہوئے 5 سال کا عرصہ گزر گیا لیکن آج تک اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کی گئی۔ اردو تنظیموں اور اردو آبادی کی جانب سے ہنوز اس سلسلے میں مطالبہ جاری ہے۔ بہار اسمبلی اور کونسل میں بھی متعدد دفعہ اس کے ممبران کے ذریعے اس تعلق سے آواز بلند کی گئی ہے لیکن حکومت کان میں تیل ڈالے بیٹھی ہوئی ہے۔

اردو کی جڑ کاٹنے کا دوسرا واقعہ ابھی حالیہ دنوں کا ہے، جب ڈائرکٹر پرائمری ایجوکیشن نے گذشتہ 14 جولائی 2025 کو اپنے لیٹر نمبر 1934 کے ذریعے بہار کے پرائمری اسکولوں کے لیے 35333 صدر مدرّس کی تقرری کا حکم نامہ جاری کیا ہے۔ صدر مدرّسوں کی یہ تقرری گذشتہ سال 2024 میں بہار پبلک سروس کمیشن (بی. پی. ایس. سی) کے ذریعے منعقدہ مقابلہ جاتی امتحان کے ریزلٹ کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ اس تقرری میں ایک بہت بڑی بے ضابطگی یہ ہوگئی ہے کہ بہت سارے غیر اردوداں اساتذہ کو اردو اسکولوں (مکتب) میں مامور کردیا گیا ہے۔ جب کہ بعض مقامات پر اردوداں اساتذہ کی پوسٹنگ ہندی میڈیم اسکولوں میں ہوگئی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً 80 سے 90 فیصد اردو اسکولوں میں غیر اردوداں صدر مدرّس مامور کیے گئے ہیں جو اردو میڈیم اسکولوں کے حق میں بالکل غلط ہوا ہے۔ اردو اسکولوں میں اردو میڈیم سے پڑھائی ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو اسکولوں کے سارے ریکارڈ اردو میں ہی ہوتے ہیں، یعنی دفتری امور اردو میں ہی انجام دیے جاتے ہیں۔ چوں کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایک غیر اردوداں صدر مدرّس اردو اسکول میں اپنے دفتری امور کو کس طرح انجام دے پائیں گے؟ وہ اپنی سہولت کے لیے سارے ریکارڈ کو اردو کے بجائے ہندی میں تیار کریں گے۔ اگر ایسا کرنے سے انھیں کوئی روکے گا تو اس سے اسکولوں میں بدنظمی کا ماحول پیدا ہوگا اور اساتذہ کے درمیان اختلاف پیدا ہونے کے امکان سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ اردو اسکولوں میں ہفتہ واری تعطیل جو جمعہ کو ہوتی ہے وہ غیر اردوداں صدر مدرّس رہنے کے سبب اتوار کو ہونے لگے۔ خدا نخواستہ اگر ایسی نوبت آئی تو اس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ بلا تاخیر ڈائرکٹر پرائمری ایجوکیشن کو یہ صلاح دی جائے کہ وہ اپنے حکم نامے میں ترمیم کرتے ہوئے ایک دوسری لسٹ جاری کریں جس کے ذریعے اردو اسکولوں میں اردوداں صدر مدرّسوں کی تقرری کو یقینی بنایا جائے اور ساتھ ہی ہندی میڈیم اسکولوں میں مامور کیے گئے اردو داں صدر مدرّسوں کو بھی ہندی اسکولوں سے ہٹا کر ان کی پوسٹنگ اردو اسکولوں میں کر دی جائے۔ یہ بہت آسان اور عمدہ طریقہ ہوگا۔ ایسا کرنے میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایک غیر اردوداں صدر مدرّس اردو اسکول میں اپنے دفتری امور کو کس طرح انجام دے پائیں گے ؟ وہ اپنی سہولت کے لیے سارے ریکارڈ کو اردو کے بجائے ہندی میں تیار کریں گے۔ اگر ایسا کرنے سے انہیں کوئی روکے گا تو اس سے اسکولوں میں بدنظمی کا ماحول پیدا ہوگا اور اساتذہ کے درمیان اختلاف پیدا ہونے کے امکان سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ اردو اسکولوں میں ہفتہ واری تعطیل جو جمعہ کو ہوتی ہے وہ غیر اردوداں صدر مدرّس رہنے کے سبب اتوار کو ہونے لگے۔ خدا نخواستہ اگر ایسی نوبت آئی تو اس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

مختصر یہ کہ اردو بہار میں ڈھائی کروڑ لوگوں کی مادری زبان ہونے کے ساتھ ساتھ بہار کی دوسری سرکاری زبان بھی ہے تو ایسی صورت میں اسے پھلنے پھولنے کا موقع تو ملنا ہی چاہیے۔ دوم یہ کہ نئی قومی تعلیمی پالیسی کے تحت بھی ہر بچے کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا ان کا بنیادی حق مانا گیا ہے، تو پھر اس حق سے اسے محروم نہیں کیا جانا چاہیے۔ محکمۂ تعلیم کا یہ فیصلہ غلط ہے بلکہ یہ اردو کی جڑ کاٹنے کے مترادف ہے۔ حکومت کی اعلا کرسیوں پر فائز لوگوں اور عوامی نمائندوں کو چاہیے کہ محکمۂ تعلیم کی جانب سے کی گئی اس غلطی کے تدارک کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالیں اور غلطیوں کی اصلاح کے لیے مستعد ہوں تاکہ مذہبی اور لسانی اقلیت کے لوگ ملک کے آئین میں دیے گئے اپنے حقوق سے محروم نہ رہ سکیں اور انھیں حکومت سے بھی کوئی شکایت نہ رہے۔

'حسن منزل' آشیانہ کالونی، روڈ نمبر 6،
حاجی پور، ویشالی–844101 (بہار)
Email.anwarulhasan54@gmail.com
Mob. No. 9430649112

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی–110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***